عطاء الحق قاسمی

آنکھیں ترستیاں ہیں!

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام جب بھی میری زبان پر آتا ہے یا کسی دوسری زبان سے میں یہ نام سنتا ہوں تو ان کے کارناموں کا خیال ذہن میں بعد میں آتا ہے پہلے میں اس لذت اور حلاوت سے ہم کنار ہوتا ہوں جو اپنے خاندان کے کسی عزیز ترین فرد کے محبت بھرے تذکرے کی صورت میں دل و دماغ کو محسوس ہوتی ہے انسان کا بچپن اس کی جوانی اور بڑھاپے کا ساتھی ہوتا ہے چنانچہ اس دور کی یادیں ساری عمر اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلتی ہیں۔

میں نے امیر شریعت کو نہ قریب سے دیکھا ہے اور نہ کبھی ان کی تقریر کو سننے کا موقع ملا ہے لیکن میں نے شاہ صاحب کو بہت قریب سے بھی دیکھا ہے اور ان کی بیسیوں تقریریں بھی سنی ہیں میں نے انہیں ۱۹۴۳ء میں پہلی بار دیکھا۔ ۱۹۴۳ء ہی میرا سال پیدائش ہے۔ شاہ صاحب نے مجھے اپنی گود میں اٹھایا اور میری پیشانی کا بوسہ لیا تھا اور پھر ۱۹۴۷ء تک میں ان کے ہاتھوں میں پلا ہوں۔ ان سے ہمارے خاندانی روابط تہہ در تہہ تھے۔ قیام پاکستان سے قبل امر تسر میں ہمارا اور حضرت شاہ صاحب کا گھر ایک ہی محلے میں تھا بلکہ جس گھر میں شاہ صاحب رہتے تھے وہ والد ماجد مولانا بہاء الحق قاسمی نے اپنے لیئے بنایا تھا، شاہ صاحب کو وہ گھر پسند آگیا چنانچہ والد ماجد نے یہ گھر ان کے لئے خالی کر دیا[1] اور اس کے برابر میں دوسرا گھر تعمیر کر لیا، میں تو اس وقت بہت چھوٹا تھا بلکہ قیام پاکستان کے وقت میری عمر صرف چار سال تھی، والد ماجد بتاتے ہیں کہ دو گھروں کے باوجود ہم ایک ہی گھر کے مکین تھے، ہمارے اور شاہ صاحب کے خاندان کے افراد ایک دوسرے کے گھر میں اس طرح داخل ہوتے تھے جیسے اپنے گھر میں داخل ہوا جاتا ہے، شاہ صاحب ہمارے لئے تایا تھے اور والد ماجد شاہ صاحب کی اولاد کے لئے حقیقی چچا کی سی حیثیت رکھتے تھے، اس کے علاوہ ایک رشتہ دوسرا بھی تھا، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری میرے دادا حضرت پیر غلام مصطفی قاسمی کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے جبکہ والد ماجد انگریز استعمار اور اس کے قادیانی ایجنٹوں کے خلاف جدوجہد میں حضرت شاہ جی کو اپنا رہنما تصور کرتے تھے چنانچہ انگریزوں اور قادیانوں کے خلاف جدوجہد کے دوران وہ جلسوں اور جیلوں میں بھی ایک دوسرے کے رفیق رہے بلکہ پاکستان بننے کے بعد جب ۱۹۵۳ء میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران والد ماجد کو تشدد کے لئے شاہی قلعے لے جایا گیا تو وہاں تفتیشی افسر نے تین دن کی شدید اذیت کے دورا ان سے کہا کہ اگر وہ یہ بیان دے دیں کہ تحریک میں حصہ انہوں نے شاہ صاحب کے اکسانے پر لیا ہے تو ان کی "جان بخشی" ہو سکتی ہے، اس پر والد ماجد نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا

تم اس شخص سے یہ بیان لینے کی کوشش کر رہے ہو جس کے نزدیک زندگی اور موت دونوں عطیہ خداوندی ہیں اور تم

[1] شاہ جی نے یہ مکان مولانا سے مبلغ 3400 روپے میں خرید کیا تھا۔

شاید یہ بھی نہیں جانتے کہ ختم نبوت کا درس شاہ صاحب نے مجھے نہیں دیا بلکہ خود انہوں نے یہ درس میرے خاندان سے لیا ہے۔ لہذا اگر تم چاہو تو ان کے حصے کی سزا بھی مجھے دے سکتے ہو" چنانچہ باقی ماندہ قید کے دوران تفتیشی افسر نے والد ماجد کی یہ خواہش پوری کرنے کی حتی الامکان کوشش کی۔

میں جانتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب کو ان کی ذات کے حوالے سے جاننے کا یہ بیان قدرے طویل ہو گیا ہے مگر اس بیان کی لذت میں میرا یہ افتخار شامل ہے کہ میں ان کی گود میں کھیلا ہوں، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ میرے بیان کی اہلیت سے باہر ہے۔ گو میں نے انہیں چار برس کی عمر تک "دیکھا" تھا تاہم میں اپنا نام ان خوش نصیبوں کی فہرست میں درج کرانا چاہتا ہوں، جن کی آنکھوں نے شاہ صاحب کا دیدار کیا ہے۔

اور میں نے شاہ صاحب کی کوئی تقریر بھی نہیں سنی لیکن جید علماء ممتاز دانشوروں، چوٹی کے ادیبوں دانشوروں سیاست دانوں اور تھڑے پر بیٹھ کر گپ شپ کرنے والوں عوام الناس سے ان کی تقریروں کے بارے میں اس قدر سنا ہے کہ لگتا ہے کہ ان لاکھوں کے مجمع میں میں بھی شریک رہا ہوں جیسے امیر شریعت اپنی خطابت سے مسحور کرلیا کرتے تھے سو میں نے ان کی دلوں کو مسخر کرنے والی خطابت کے اتنے واقعات سنے ہیں کہ مجھے شاہ صاحب ایک ماورائی سی شخصیت لگنے لگے ہیں اور میرے ذہن میں ان کا جو ہیولا ابھرتا ہے، وہ حضرت مسیح علیہ السلام سے مماثل ہے، جو مردوں کو زندہ کردیتے تھے۔ امیر شریعت نے انگریز سامراج کے خلاف برصغیر کے پژمردہ عوام میں زندگی کی لہر دوڑادی تھی اور انہیں ایک ایسی طاقت سے لڑا دیا تھا، جس کی سلطنت پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن یہ سورج غروب ہو کر رہا اور برصغیر کے عوام نے بالآخر اپنی آنکھیں ان کومل کرنوں کے جھرمٹ میں کھولیں، جو آزادی کے سورج کی کرنیں تھیں سو میں نے اگرچہ شاہ صاحب کی کوئی تقریر نہیں سنی، لیکن ان کا جذبہ حریت ان کے لاکھوں مداحین میں سے "ٹریول" کرتا ہوا مجھ تک پہنچا ہے اور آج میرے دل میں سامراج کے لئے جو شدید نفرت ہے وہ شاہ صاحب کی ان ولولہ انگیز تقریروں کی بھی دین ہے جو جملہ جملہ ہو کر مجھ تک پہنچی ہیں۔

یوں میں نے شاہ صاحب کو بہت قریب سے دیکھا بھی ہے اور ان کی تقریریں بھی سنی ہیں لیکن میں انہیں ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں اور ایک بار ان کی تقریر سننا چاہتا ہوں میں نے سنا ہے کہ سائنسدان فضا میں موجود ماضی کی آوازوں کو مجتمع اور چہروں کو مجسم کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں وہ دن میرے لئے بہت مبارک ہوگا جس دن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوں گے کہ میں اپنے شاہ صاحب کو چلتے پھرتے، ہنستے بولتے اور تقریر کا جادو جگاتے دیکھ سکوں گا کیا میں شاہ صاحب کو کبھی سچ مچ دیکھ سکوں گا؟

حضرت شاہ جی کے علمی اور دینی قد کاٹھ کے بارے میں کسی بونے کا کچھ کہنا اچھا نہیں لگتا، میرے منہ سے یہ باتیں کچھ جچتی نہیں کہ حضرت شاہ جی نے انگریز کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے قید و بند کی کس قدر صعوبتیں جھیلیں اپنے آرام کو قربان کیا، سیم و زر کو اپنے پاؤں کی خاک سے بھی کم تر جانا یا یہ کہ آج تک ان سے بڑا خطیب پیدا نہیں ہوا، یہ وہ باتیں ہیں جو تاریخ کا حصہ ہیں اور تاریخ کو عطاء الحق قاسمی کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں۔

قیام پاکستان کے حوالے سے مجھے حضرت شاہ جی کے موقف کا علم ہے تاہم اس ضمن میں میرا معاملہ بھی حضرت شاہ جی کے ان لاکھوں عقیدت مندوں سا ہے جو ساری ساری رات شاہ جی کی تقریر پر سر دھنتے تھے مگر صبح ووٹ مسلم لیگ کو دیتے تھے، تاہم مجلس احرار سے وابستہ علماء کی نیت پر شک کرنا، خود پر شک کرنے کے مترادف ہے۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ جی نے ایک تقریر میں فرمایا کہ مسجد بن جائے تو اسے ڈھایا نہیں کرتے، اس کی حفاظت کیا کرتے ہیں، اور اب پاکستان میرے لئے ایک مسجد کی طرح ہے جس کی حفاظت مجھ پر لازم ہے اور انہوں نے اپنا یہ عزم نبھایا بلکہ ان کی قابل فخر اولاد بھی پاکستان کو اسلام کا حقیقی قلعہ بنانے کے لئے سرگرم عمل ہے۔ دراصل ایک طویل عرصے کے مشاہدے اور تجربے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسلام سے محبت رکھنے والا کوئی بھی شخص پاکستان کا بدخواہ نہیں ہوسکتا چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج اندرون ملک اور بیرون ملک پاکستان کے خلاف جتنی بھی سازشیں ہورہی ہیں ان کے پیچھے اسلام دشمن ذہن کارفرما ہے مجلس احرار اسلام کو قیام پاکستان کے ضمن میں جو اختلاف تھا، وہ بھی اسلام کی محبت ہی میں تھا۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ امیر شریعت کو میں نے اپنی ہوش کی آنکھوں سے نہیں دیکھا کیونکہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا، انہیں صرف اپنے خاندان کے ایک فرد کے طور پر جانا اور یا پھر انگریز استعمار کو ناکوں چنے چبوانے والے ایک شعلہ نوا خطیب اور ایک عظیم المرتبت حریت پسند کے طور پر جس نے برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کے لئے راہ ہموار کی۔ البتہ حضرت شاہ جی کو میں ان کی آخری عمر میں سلطان فونڈری والے اپنے عزیز دوست عارف مرحوم کے گھر دیکھا مگر اس وقت نہ وہ مجھے پہچان سکتے تھے اور نہ میں انہیں پہچان سکتا تھا۔ گھر والے شاہ جی کا جو سراپا بیان کرتے تھے یا میں نے ان کی جو تصویریں دیکھی تھیں انہیں ذہن میں لانے کے بعد میں شاہ جی کو پہچاننے میں کامیاب ہوا، یوں انہیں پہچاننے میں مجھے کچھ دیر لگی۔ مجھے یقین ہے کہ خواہ مزید کچھ دیر لگے مگر پاکستانی قوم بھی ایک دن شاہ جی کو ضرور پہچانے گی کہ قیام پاکستان کے لئے بالواسطہ طور پر راہ ہموار کرنے والے تحریک آزادی کے یہ رہنما بھی ہمارے محسن ہیں اور اپنے محسنوں کو جو قوم جتنی جلدی پہچانے اس کے لئے یہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے! (مجلس احرار اسلام کے لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی برسی میں پڑھا گیا) (بہ شکریہ نوائے وقت ملتان۔ ۲۷ اگست ۱۹۸۹ء)